عقیدۂ حیاتِ مسیحؑ کے نقصانات

تقریر جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۵۷ء

از

مکرم میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ
امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی

النّاشر
مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ ضلع جھنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عقیدۂ حیاتِ مسیحؑ کے نقصانات

میرے مضمون کا عنوان سُن کر اکثر احمدی احباب یہ کہہ دیں گے کہ اب حضرت مسیحؑ کو کون زندہ مانتا ہے۔ ان کی حیات کے عقیدہ کے نقصانات شمار کرنے پر اپنا وقت اور توانائی کیوں ضائع کی جائے۔ مسیحؑ مر چکا۔ اس کی وفات کو قرآن کریم کی تیس آیات نے محکم طور پر ثابت کر دیا۔ اس کے صلیب پر سے بچ جانے پر خود اس کے ہمعصروں اور مؤیدین نے شہادت دیدی۔ یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں ایک لمبا سفر اختیار کیا جو آخر کشمیر میں ختم ہوا۔ اور سرینگر محلہ خانیار آپ کی آخری آرامگاہ بنا۔

آج سے ستر برس پہلے جب جری اللہ فی حُلل الانبیاء کاسر الصلیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وفاتِ مسیحؑ کا اعلان فرمایا تو ایک شورِ قیامت برپا ہوا تھا۔ لیکن حق کچھ اِس زور سے آیا کہ باطل کو بھاگتے ہی بنی۔ پہلے تو مخالف علماء بڑے زور شور سے بحثیں اور مناظرے

کرتے رہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کا رویہ یہ ہو گیا کہ وہ کہنے لگ گئے کہ صداقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا کیا تعلق ہے کہ مسیح زندہ ہیں یا فوت ہو گئے۔ ہاں آنے والے نے آنا ضرور ہے۔ آؤ ہم سے یہ بحث کر لو کہ آنے والا حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں یا کوئی اور؟

مخالفین کو خوب معلوم تھا کہ اگر آسمان سے نگاہیں پھریں اور زمین پر ہی تلاش ہوئی تو قادیان کے سوا نگاہیں کہیں اور نہ ٹھہریں گی اسلئے انہوں نے آہستہ آہستہ مسیح علیہ السلام کی آمد کے متعلق بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنے والے کے متعلق احادیث ضعیف ہیں۔ یہ نقطۂ نگاہ نیچری مکتب خیال نے اپنایا۔ ان میں سے بعض افراد نے بالخصوص علامہ اقبال نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں اس سے کیا کہ؎

ابن مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے

علامہ موصوف نے صرف یہی نہیں بلکہ بعض اور مسائل مثلاً یہ کہ صفات ذاتِ حق حق سے جدا ہیں یا کہ عین ذات ہیں۔ یا کلام اللہ کے الفاظ حادث ہیں یا قدیم ہیں۔ یا یہ کہ؎

آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات

اِن سب مسائل کے متعلق نہایت تحقیر آمیز رنگ میں فرمایا کہ ؎

کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اِس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

گویا ان کی رائے میں مذکورہ بالا مسائل اسلئے ایجاد کئے گئے کہ مسلمانوں کو عالمِ کردار سے بیگانہ رکھا جائے اور بساطِ زندگی میں اُن کے سب مہرے مات ہوں۔

مَیں اِس سِلسلہ میں اپنے نو تعلیم یافتہ احباب اور جملہ ان احباب کی خدمت میں جو اب تک حیاتِ مسیح کے قائل ہیں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر حیات و وفاتِ مسیح کا مسئلہ درخورِ توجہ نہ تھا اور نسلِ انسان کی کوئی بھلائی اِس سے وابستہ نہ تھی بلکہ واقعی یہ مسئلہ مسلمانوں کی قوتِ عملیہ کو مفلوج کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا تو پھر سوچنے والی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں حیات و وفاتِ مسیح کے متعلق یہود و نصاریٰ کے جملہ اختلافات کا تفصیل سے ذکر کرکے اِس مسئلے پر محاکمہ کرنے کی ضرورت کیوں سمجھی؟ اور اِس کتاب میں جس کو عامی نہیں بلکہ ہر دانائے راز کو بھی پڑھنے کا حُکم دیا گیا ہے فیصلہ دینے کی ضرورت کیا تھی؟

خدا تعالیٰ تو اِس کتاب کی خود ایک صفت یہ بیان فرماتا ہے۔ کہ

فیھا یفرق کل امرٍ حکیم۔ یعنی اس کتاب میں تمام ایسے امور جو حکمت والے ہیں ان کا فیصلہ دیا جاتا ہے۔ اب احباب خود غور فرمائیں کہ خدائے حکیم تو حیات و وفاتِ مسیحؑ کے اختلاف پر فیصلہ دینا ضروری سمجھے لیکن احمدیت کے بعض مخالفین اس فیصلے کو نعوذ باللہ مسلمانوں کی قوتِ عملیہ کو مفلوج کر دینے والا قرار دیتے ہیں۔ اور اس طرح خدا کے حکیمانہ فیصلے پر اپنی حکمت کو غالب قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ اگر حیات و وفاتِ مسیح کا مسئلہ اور قرآن کے حادث و قدیم ہونے کا مسئلہ الٰہیات کے تراشے ہوئے لات و منات ہیں تو ان لات و منات کے پوجنے والے کون تھے؟ قرآن کے حادث و قدیم کے مسئلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل نے جو دکھ اٹھائے وہ کسے معلوم نہیں ہیں۔ کیا وہ بھی لات و منات کے پجاری تھے؟ امام احمد بن حنبلؒ کے مقام کو بیان کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ وہ پاکباز امام تھے کہ ان سے حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، حضرت ابوداؤدؒ، حضرت ابو زرعؒ اور خلق کثیر محدثین نے روایات کیں۔ اور یہ لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ پر اپنے زمانے میں فقہ، حدیث، اخلاص اور ورع کی انتہا ہوئی۔ لیکن اگر یہ شخص الٰہیات کے تراشے ہوئے لات و منات کا پجاری تھا تو امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ وغیرہم کبار محدثین

بھی لات و منات کے پجاری ٹھہرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

یہ بات بھی نہایت درجہ تعجب انگیز ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا یہ متفقہ نقطۂ نگاہ بھی کہ آخری زمانہ میں مہدی اور عیسیٰ آئے گا اور ایک ہی وجود میں ظاہر ہوگا جیسا کہ حدیث لا مھدی اِلّا عیسیٰ سے ثابت ہے۔ اِس عقیدہ کو بھی جو سینکڑوں سال سے مسلمانوں کے قلوب پر حاوی رہا ہے ایک بے بنیاد تخیّل قرار دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُمّت کو کسی وقت بھی کسی مہدی کی ضرورت نہ ہوگی۔

سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امام بخاری رحؒ نے اپنی کتاب میں جو اصحّ الکتب بعد کتاب اللہ ہے اصدق الصادقین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حلفاً بیان کیا کہ آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ضرور آئیں گے۔ جیسا کہ فرمایا :۔

واللہ لینزلن فیکم ابن مریم و امامکم منکم۔

یعنی خدا کی قسم ضرور ضرور تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تمہیں میں سے تمہارا امام ہوگا۔

لیکن افسوس صد افسوس آج سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کو بھی ناقابلِ قبول سمجھا جاتا ہے کیونکہ بقول مخالفینِ احمدیت یہ عقیدہ مجوسی ثقافت کی وراثت ہے۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اگر علامہ اقبال کی بات کو درست سمجھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ امام بخاریؒ نے جو اپنی ساری زندگی میں احادیث صحیحہ جمع کرنے میں کاوش فرمائی اور جس محنت کو اُمتِ محمدیہ کے لاکھوں مقربانِ بارگاہِ الٰہی نے خود خدا سے علم پا کر درست قرار دیا اور اُس کتاب کو جو خدا کی کتاب کے بعد سب سے سچی کتاب سمجھا وہ جھوٹے تھے اور علامہ صاحب جنہوں نے حدیث کی تحقیق کے میدان میں کبھی ایک قدم بھی نہیں رکھا تھا وہ زیادہ سچے اور امام بخاریؒ سے زیادہ بڑے محقق ہیں کیونکہ بقول علامہ صاحب آمد مسیح و مہدی کا عقیدہ مجوسی ثقافت کی وراثت ہے۔

بقول علامہ اقبال مجوسی ثقافت کی اِس وراثت کو اُمت کے محققین نے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ چودہ سو سال اس پر خدا تعالیٰ کے محبوب بندے یقین رکھتے رہے وہ سب راستباز مسلمہ طور پر خدا تعالےٰ کے محبوب بندے تھے جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ جن کی پاکیزگی اور تقدس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نہ صرف آمد ہی کو بیان فرمایا بلکہ ان کے مقام کے متعلق فرمایا کہ وہ حقیقت محمدیہ کے سب سے بڑے مظہر ہوں گے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ان چودہ سو سال کے ہزاروں پاکبازوں کے حوالہ جات کو جمع کیا

جائے جن میں انہوں نے اپنے روحانی مکاشفات کی بناء پر مسیح و مہدی کی آمد کے متعلق یقین دلایا ہے تو وہ ایک ضخیم کتاب بن جائے۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے خود لکھا ہے مذہب کی دنیا میں روحانی تجربہ ہی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔ اسلئے ان پاکبازوں کے تجارب و مکاشفات کو رد کرنا مذہب کی بنیادوں پر تبر رکھنا ہے۔ ان حالات میں اب یہ فیصلہ کرنا کہ علامہ اقبال کا نقطۂ نگاہ اسلام، روحانیت اور مفادِ انسانیت کے معاملہ میں مشعلِ راہ بننا چاہیئے یا قرآن، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحاءِ اُمت کے ارشادات، اُمت پر چھوڑتا ہوں۔

مَیں نوتعلیم یافتہ احباب کو دعوت دیتا ہوں کہ اِس مسئلہ پر علمی اور رُوحانی نقطۂ نگاہ سے تقویٰ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے غور کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جس طرح آج تک اس مسئلہ سے بے اعتنائی برتتے رہے ہیں وہ اپنے سابقہ طریقِ فکر کو غلط محسوس کریں گے اور تلاشِ حق میں اُن کے قلوب خدا کی کتاب سے روشنی حاصل کریں گے۔

اِس مرحلے پر نقصانات گننے سے پہلے یہ بات بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ ایک مومن معمولی سی عقل سے بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور عیسائیت کی بنیاد مسیح کے صلیب پر مرنے، تین دن کے بعد جی اُٹھنے اور نسلِ انسان کے گناہ اُٹھا لینے اور ان کے سلئے

کفارہ ہو جانے پر مبنی ہے۔ اگر مسلمان عیسائیوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنا چاہتے ہوں تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اِن عقائد کی تغلیط سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ پس اِس مسئلہ وفاتِ مسیح کی ضرورت ایسی واضح اور عیاں ہے کہ ایک بچہ بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔ اگر مسیح زندہ آسمان پر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ عیسائیت کو جھوٹا سمجھا جائے، اور اگر وہ واقعی فوت ہو چکا ہے تو عیسائیت خود بخود اس کے ساتھ ہمیشہ کی موت مر جاتی ہے۔

قرآن مجید کا محاکمہ

میرا آج کا مضمون دلائل وفاتِ مسیح پر نہیں بلکہ عقیدۂ حیاتِ مسیح کے نقصانات بیان کرنے پر ہے۔ اب میں اپنا وہ دعویٰ کہ قرآن کریم نے حیات و وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر یہود و نصاریٰ کے اختلافات کو بیان کر کے اس پر محاکمہ فرمایا ہے ثابت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورہ نساء میں بیان فرماتا ہے:۔

وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

لَهُمْ..... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا - وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا -

ترجمہ:- اور ان یہودیوں کے مریمؑ پر ایک بہت بڑا بہتان باندھنے کے سبب سے اور اُن کے (یہ بات) کہنے کے سبب سے کہ اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کو ہم نے یقیناً قتل کر دیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ انہوں نے اُسے صلیب پر لٹکا کر مارا بلکہ وہ اُن کے لئے مصلوب کے مشابہ بنا دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس (یعنی مسیح کے صلیب سے زندہ اتارے جانے) میں اختلاف کیا ہے وہ یقیناً اُس (کے زندہ اُتارے جانے کی وجہ) سے شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ انہیں اس کے متعلق کوئی بھی یقینی علم نہیں ہے۔ ہاں (صرف ایک) وہم کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اس (واقعہ کی اصلیت) کو پوری طرح نہیں سمجھا اور انہوں نے اسے ہرگز قتل نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حضور میں عزت (و رفعت) دی تھی (اور وہ صلیب پر مر نہیں گیا تھا) کیونکہ

اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ ہر دو
قیامت تک یہی سمجھتے رہیں گے کہ مسیح صلیب پر مرا لیکن
قیامت کے دن مسیح اُن کے خلاف گواہ ہوگا۔"

یہود کہتے تھے کہ مسیح کی پیدائش بھی مشتبہ ہے۔ اس لئے وہ کسی عزت کے لائق نہیں۔ پھر اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا لیکن ہم نے اُسے پکڑا اور اپنے ہاتھوں گرفتار کر کے اُسے صلیب پر چڑھایا۔ اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جو صلیب پر مرے وہ لعنتی ہوتا ہے (استثناء ۲۱/۲۳) ہم نے اُسے صلیب پر مار کر لعنتی ثابت کر دیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ خدا تعالےٰ نے اُسے اپنی طرف رفعت دی اور عالی مرتبہ بخشا اور اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔ یہود کی تدابیر خدا کے مقابلہ میں ناکام ہوئیں اور اس کی حکمت نے اسے اس طرح بچایا کہ یہود اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

خدائی محاکمہ

احباب اِن آیات پر مکرّر سہ کرر غور کریں۔ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وفات و حیاتِ مسیح کے مسئلہ پر یہ خدا کا محاکمہ نہیں ہے۔ اور اگر یہ محاکمہ ہے تو کیا خدا نے یہ عبث کام کیا۔ کیا خدا تعالےٰ

نے جب یہ فرمایا تھا کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ تو کیا اس آیت کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ جب خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات پر ہی عقل سے کام لیا جائے اور باقی خدائی فیصلوں کو افیون سمجھا جائے اور الٰہیات کے تراشے ہوئے لات و منات قرار دیا جائے؟

اگر امور مذکورہ بالا پر ایک لمحہ فکریہ بھی گذارا جائے تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ خدا تعالیٰ نے حیات و وفات مسیحؑ کے مسئلہ پر عظیم الشان حکمتوں اور مفادِ انسانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ دیا اور قرار دیا ہے کہ مسیحؑ وفات پا چکا اور اُسے فوق البشر قرار دینا اور اُسی وجود سے اپنی نجات کو وابستہ قرار دینا بے عقلی کا فعل ہے۔ وہ ایک عام انسان تھا جو اپنی طبعی زندگی پا کر فوت ہو گیا۔

اب میں عقیدہ حیاتِ مسیحؑ کے نقصانات بیان کرتا ہوں لیکن ان کے بیان کرنے سے قبل اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ خود حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام حیاتِ مسیحؑ کے عقیدے کو ابتداءً بیان فرماتے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ حضور نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں رسماً علماء متقدمین کے اعتقاد پر قائم رہا۔ کبھی اس معاملے میں تحقیقات نہ کی۔ نیز ایک

بڑی وجہ اس عقیدے پر قائم ہونے کی یہ تھی کہ زمانہ تقاضا کر رہا تھا کہ کوئی مصلح آئے۔ چونکہ حضورؑ کے تحت الشعور میں کہیں نام کو بھی یہ خیال نہ تھا کہ حضورؑ خود وہ مصلح ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ اُمت کے لئے چُنا ہے۔ اس لئے حضورؑ یہی سمجھتے رہے کہ مصلح ضرور آئے گا۔ خواہ آسمان سے ہی آئے۔ اور اسی بنا پر حضورؑ آسمان سے آمدِ مسیحؑ کو رسماً مانتے رہے۔ یہ نقطۂ نگاہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکبازی اور صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے کہ حضورؑ نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ وہ مسیح تو حضورؑ خود ہیں۔ چنانچہ حضورؑ نے اپنی ایک نظم میں نہایت پیارے انداز میں بیان فرمایا ؎

وآں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند
لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی

عقیدۂ حیاتِ مسیحؑ کا پہلا نقصان

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرمایا ہے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ نہیں کہا۔ اگر ہم اِلَيْهِ سے مراد السَّمَاء لیں تو پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو محدود و مشخص و مجسم ماننا پڑتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کسی آسمان پر بیٹھا ہے کہ وہاں اس نے عیسیٰ

علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ اگر وہ وہی ہے جو قرآن نے بیان فرمایا ہے کہ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور وہی ہے جس نے اپنے متعلق فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور اگر وہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم خاکی کے ساتھ کہاں کہاں اپنے خدا کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ وہ خدا جو وجود عالم میں جان کی طرح ہے اور جس کی وسعت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے اس کے پاس مسیح اپنے جسدِ خاکی کے ساتھ کہاں کہاں بیٹھے گا۔ سوائے اسکے ہم خدا کو محدود و مجسّم قرار دے لیں اور کوئی صورت مسیح کے خدا کے پاس ہونے کی نہیں بنتی۔

احباب غور کریں کیا خدا محدود ہو سکتا ہے؟ جو محدود ہے اس کا کوئی محدِّد بھی ہے اور محدِّد محدود سے لازماً پہلے اور زیادہ قدیر بھی ہے۔ اور جس کی ابتداء ہے اس کی انتہاء بھی ہے اور لازماً اس پر فنا بھی آئے گی۔ کیا مومن ایک فانی کو خدا مان سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ساتھ بحث کرتے ہوئے انہیں کیا لطیف انداز میں سمجھایا تھا کہ شمس و قمر خدا نہیں ہو سکتے۔ اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ کسی نے کیا پیارے انداز میں فرمایا ہے ؏

نوائے لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن زن

غائب اور غروب ہونے والے سے ابدی محبت تو کیا ہوگی مجازی محبت والا بھی اپنے محبوب کی جُدائی برداشت نہیں کرتا۔ کیا انسانی رُوح ایسے محدود و مجسّم ناقص و غیر قدیر معبود کی آغوش میں کامل راحت پاسکتی ہے؟ یہ تصوّر تو روحانیت کی ساری خوشیاں ہی برباد کردیتا ہے۔

دوسرا نقصان

دوسرا نقصان عقیدۂ حیاتِ مسیح کا یہ ہے کہ آسمان کے متعلق حقیقت سے بہت دُور ایک خیالی اور وہمی تصوّر قائم کیا جاتا ہے۔ نیلگوں فلک ایک خوبصورت جمالیاتی تصوّر ہے۔ جس میں جگہ جگہ پر خوبصورت سُرخ و سفید ستارے لعل و گہر کی صورت میں آویزاں ہیں۔ منتہائے نظر سے پرے ایسی خوبصورت فضا میں رہائش کی خواہش یقیناً صرف ایک جمالیاتی تصوّر ہے حقیقت سے اِس کا دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر سماء کے لغظی معنوں کو مدِّنظر رکھا جائے تو اس کے معنی صرف بلندی کے ہیں۔ اسی لئے جُوتی کے پنجے کو سماء النعل کہتے ہیں۔ اگر سماء سے صرف بلندی ہی مراد ہو تو اِس بات کی تعیین کس طرح ہو کہ وہ سماء فلسطین کا سماء تھا یا ساری زمین کے مقابلہ میں کوئی خاص بلندی مراد

تھی۔ اگر اس سے مراد نظامِ شمسی ہو تو کیا اس نظامِ شمسی کا کوئی سماء مراد ہے یا عالمِ بسیط میں لاکھوں کروڑوں نظامہائے شمسی میں سے کوئی نظام مراد ہے؟ کیا ایسی صورت میں یہ خیال کہ مسیح آسمان پر اٹھا لیا گیا تشنۂ تفصیل و تعیین نہیں رہ جاتا؟ اور سوائے بچوں کی ایک کہانی کے اس کے کوئی اور معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں؟ مزید برآں اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ غور رہ جاتی ہے کہ ہر بلندی پر اس جسمِ خاکی کے ساتھ زندگی کب تک اور کس طرح اور کن حالات میں رہ سکتی ہے؟

ایک نادر تخیل

یہ نہایت تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے صرف مسیحیت کے تخیلات کو ہی نہیں اپنایا بلکہ اس میں اور بھی اضافے کئے ہیں مسیحیت کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ مسیح چوتھے آسمان پر ہے۔ یہ نادر تخیل بعض مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ حالانکہ حدیثِ معراج میں مسیح دوسرے انبیاء کے ساتھ (جو جسمِ خاکی کے ساتھ یقیناً زندہ نہ تھے) حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے تھے اور ایسی صورت میں جسمِ خاکی کے ساتھ زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حدیثِ مذکورہ میں مختلف روحانی مقامات پر مومنین اور انبیاء کے مختلف گروہوں کی ملاقات کا بیان ہے اور

وہاں سماء سے مراد خالصتہً روحانی بلندی ہے۔ ویسے عام اصطلاح کے لحاظ سے سماء کے لفظ کو روحانی اصطلاح کبھی نہیں بنایا گیا۔ اور اگر محض بلندی مراد ہو تو بلندی کے مختلف مدارج پر جسم کی ضروریات بدلتی چلی جاتی ہیں۔ جسم کو کھانے پینے اور ہوا کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس کے خورد و نوش کے ساتھ اس کے فضلات کا اخراج بھی ضروری ہے۔ نیز اگر سماء سے بلندی ہی مراد ہو تو یہ جسم ایک حد تک بلند کیا جا سکتا ہے اس سے اوپر اس کا زندہ رہنا محال ہے۔ بہرکیف ایک مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول آخری حجت ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ بالخصوص قابل غور ہے۔ اس ارشاد سے واضح ہے کہ یہ جسم خاکی ایک اجلِ مسمّیٰ سے زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بشر کے لئے خلد کا نہ ہونا واضح طور پر یہ اصل بیان کرتا ہے کہ جسم انسانی پر انحطاط اور موت کا قانون لازماً اپنا عمل کرتا رہتا ہے اور ایک مقررہ میعاد کے بعد یہ زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ ان حالات میں مسیح ناصری کے ساتھ مسلمانوں کی غیر طبعی محبت اور اس کے نتیجہ میں مسیح کیلئے انیس سو سال سے بلا خورد و نوش آسمان پر الآن کما کان والی زندگی

تجویز کرنا مسلمانوں کو حقیقت سے کروڑوں کوس دور نکال کر ایک وہمی اور خیالی دنیا میں جا بٹھاتا ہے۔ اِس طرح کے غلط تصورات نہ صرف مسلمانوں کے علمی تنزل اور انحطاط کا بہت بڑا سبب ہوئے ہیں بلکہ اسلام کے مضحکہ کا بھی موجب ہوتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان اِن غلط تصورات کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اسلام کا اِن سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

تیسرا نقصان مسیح کے عقیدہ حیات کا یہ ہے۔ کہ ہم دانستہ طور پر اُن کی روحانی ترقی کے لیے روک پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی ایک دلیل اِس طرح دی ہے:۔

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ

مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔

اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں دلیل اِس طرح پر دی ہے کہ ہم نے انسان کو تراب سے پیدا کیا اور مختلف مدارج طے کرتا ہوا نطفہ بنا۔ پھر اس نے رحم کی دُنیا میں نطفہ سے علقہ اور مضغہ مخلّقہ وغیر مخلّقہ کے مختلف مدارج طے کئے اور وہ رحم کی دُنیا میں ایک وقت مقررہ تک قرار پکڑے رہا۔ جب رِحم کی دُنیا اس کی ترقی کے لئے ناکافی ہو گئی اور بچے کا آنول میں لپٹے رہنا اس کی آئندہ ترقی کے لئے ایک روک بن گیا تو اُسے آنول چھوڑ کر اس دُنیا میں آنا پڑا۔ یہ دُنیا بھی اگلی دُنیا کے مقابل میں ایک رحم ہے اور جب انسان کے لئے جسم وجان کا یہ پیوند مزید ترقی کے لئے روک بن جاتا ہے تو اُسے جسم چھوڑ کر ایک اور دُنیا میں جانا پڑتا ہے جس کا قیاس اِس دُنیا میں اُسی طرح مشکل ہے جس طرح رِحم مادر میں اِس دُنیا کا قیاس مشکل تھا جس طرح رحم مادر میں میعاد مقررہ کے بعد آنول میں لپٹے رہنا اس کے لئے سخت مضر تھا اور اگر وہ وہاں رہتا تو خود بھی مرجاتا اور ماں بھی مرتی۔ اِسی طرح اِس دُنیا میں جسم وجان کے پیوند کا ایک مقررہ میعاد کے بعد قائم رہنا اس کے لئے نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ جس کی دلیل ارذل عمر ہے۔ انسان نے علم وعرفان کے لحاظ سے جو ترقی کی تھی اس کو کھو دینے کا باعث جسم ہو رہا ہوتا ہے۔ گویا جسم

اس دُنیا کے رحم کی آنول ہے اور انسان اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے علم و عرفان کے حصول کے لئے ایک اور دُنیا میں جاتا ہے جس کا قیاس اس دُنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔

اس دلیل سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس جسم کا چھوڑ دینا ہی سالک کی روحانی ارتقاء کے لئے لازم ہے ورنہ جسم کے آنول میں لپیٹے رہنا اس کے لئے ایسا ہی مضر ہے جیسا بچے کے لئے رحم کی دُنیا میں آنول کے اندر لپیٹے رہنا۔ مسیح کو جسم خاکی کے ساتھ زندہ ماننے والے غور کریں کہ کیا یہ اُن کے ساتھ خیر خواہی ہے کہ یہ قیاس کیا جائے کہ وہ ارذل عمر میں مبتلا ہو کر انیس سو سال سے اس طرح پڑے ہوئے ہیں کہ ع نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

مومن جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کہ تم ایک طبق سے دوسرے طبق میں ضرور ترقی کرو گے (تو مسیح ناصری علیہ السلام کیونکر ایک طبق میں پڑے رہ سکتے ہیں) مومن تو ہر آن یہ دُعا کرتا ہے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا اور اس طرح خدا تعالیٰ کی معرفت کے ایک مقام سے اس سے بالاتر مقام تک جانے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ ان حالات میں مسیح کیلئے یہ ارذلیت کی زندگی تجویز کرنے والے بزرگ حضرت مسیح ناصری سے

کوئی خیر خواہی نہیں کرتا ہے بلکہ یہ اُن کے ساتھ کھلی دشمنی ہے۔ وہ جسے خدا نے اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَیَّ کا وعدہ دیا تھا اور وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فرمایا تھا وہ اُسے اپنے قرب سے اتنے عرصہ کے لئے دُور کس طرح رکھ سکتا ہے۔

چوتھا نقصان عقیدۂ حیاتِ مسیح کا یہ ہے کہ اِس عقیدے کو مان لینے سے مسلمانوں میں عجوبہ پسندی اور افسانہ طرازی کا شوق بڑھ گیا ہے اور اس میلان کی وجہ سے اسلام کے حسین چہرے پر ایسے بدنما داغ پڑ گئے ہیں کہ کوئی خردمند اس مذہب کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

مسٹر ڈڈلے رائٹ ڈاکٹر آف فلاسفی نے محترم مولانا جلال الدین شمس صاحب کی مشہور عالم تصنیف Where Did Jesus Die کے دیباچہ میں مندرجہ ذیل فقرات مذہب کے متعلق تحریر کئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مذہب اگر اُس نے اپنا طبعی اور مناسب مقام روحانی زندگی میں حاصل کرنا ہے تو اُسے واقعیت پر مبنی ہونا چاہیئے اور حقائق کی تلاش اور اُس کا اپنانا اسلام کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔"

فقرات مذکورہ بالا نہایت وضاحت سے اِس امر کو بیان کرتے ہیں کہ مذہب کو مذہب اور قابلِ قبول اور اپنے روحانی جذب و کشش کا حامل ہونے کے لئے سچائی پر قائم رہنا لازم ہے اور یہ کہ اُسے افسانہ نہ بننا چاہیئے۔

انجیل کے بیان کردہ واقعات نے قطعی طور پر ثابت کیا کہ مسیح بہت تھوڑا عرصہ صلیب پر رہے۔ اُن کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں۔ وہ ایک کمرہ میں محفوظ کئے گئے اور اُن کا علاج سفید رنگ، سفید لباس اسینیوں نے بہترین طریق سے کیا۔ مسیح صلیب سے اُترنے کے بعد گلیل میں اپنے متبعین سے ملے اور اُن کے ساتھ کھانا کھایا۔ انہیں اپنے زخم دکھائے۔ پھر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور پھر وہاں سے ایسی حالت میں کہ بادل چھائے ہوئے تھے اُتر گئے اور دشمنوں سے بچنے کے لئے اُن کو باغبان کا لباس پہننا اور چھپ کر رہنا اور اپنے آئندہ ارادوں کو مخفی رکھنا پڑا تھا۔

محققین اِس بات پر حیران ہیں کہ ایک گواہ بھی تو ایسا نہیں کہ یہ شہادت دیتا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے مسیح کو آسمان پر چڑھتے دیکھا۔ اِن حالات میں مسیح کا آسمان کی طرف بجسم خاکی جانے کا عقیدہ افسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اِسی ایک افسانہ کو تسلیم کرنے سے تمت

میں افسانہ طرازی اور ضعیف الاعتقادی کے دروازے کھل گئے۔
اور اولیاء اللہ کی طرف ایسی کرامتیں منسوب کی گئیں کہ اگر غیر مسلموں کے سامنے اُنہیں پیش کیا جائے تو وہ جتنی نفرت بھی اسلام سے کریں بے جا نہ ہوگی۔

پانچواں نقصان اس عقیدے سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید کا جس کا وعدہ انبیاء اور مومنین سے ہوتا ہے ایک نہایت غلط نظریہ مسلمانوں میں قائم ہو گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی سُنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہم اس کی قدرت نمائی کا غلط تصور دماغ میں قائم کریں تو نتیجہ سوائے دہریت کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ بے شک اللہ تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے لیکن اس کے وعدوں کی مستثنیات کو لازماً مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اس نے کبھی کسی اولاد کے خواہشمند کو اس طرح اولاد نہیں دی کہ وہ دُعا کرے اور کسی درخت سے پورے نو مہینے کا بچہ لٹکا ہوا اُسے مل جائے۔ کسی رزق کے خواہشمند کے لئے کبھی آسمان سے کسی نے پونڈ یا اشرفیاں برستی نہیں دیکھیں لیکن اگر عجوبہ پسندی کو معیار قرار دے لیا جائے اور خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کو نیچر کے قوانین سے بالا ظاہر ہوتے مانا جائے تو ہر مومن اپنی مشکلات میں ایسی ہی توقعات

رکھنا شروع کر دیگا اور جب پوری نہ ہوں گی تو اس کا ایمان خدا پر سے اُٹھ جائے گا۔ تو یہ کتنا بڑا خطرناک رُوحانی نقصان ہے جو اِس قسم کے غلط تصورات سے پیدا ہوتا ہے۔

چھٹا نقصان یہ ہے کہ ایک غیور مسلمان کی غیرت کو اِس عقیدے سے ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہی نہ رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مشکلات پیش آئیں وہ صرف اِس قدر تھیں کہ انہیں اِس جرم میں کہ وہ یہود کی بادشاہت کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور اپنے آپکو یہودیوں کا بادشاہ کہتے تھے گرفتار کر لیا گیا اور اِس جرم کی پاداش میں اُنہیں صلیب پر چڑھا کر مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چونکہ وہ پاکباز نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ اُن کے ساتھ تھا وہ صلیب پر مارے نہ جا سکتے تھے کیونکہ اِس طرح یہود کے عقیدے کے مطابق وہ ملعون ٹھہرتے۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر خاص سے اُنہیں بچانا تھا۔ اِن واقعات کے مقابل میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (انفال ع)

ترجمہ۔ اور اُس وقت کو یاد کرو جبکہ کفار تیرے متعلق تدبیریں کر رہے تھے تا کہ تجھے (ایک جگہ) محصور کر دیں یا تجھ کو قتل کر دیں یا تجھ کو نکال دیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار کے تمام قبیلوں نے ہم صلاح و مشورہ ہو کر حضورؐ کے مکان کے گرد گھیرا ڈال کر حضورؐ کو گرفتار کرنا چاہا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلے میں کفار کا یہ مکر کامیاب نہیں ہوا اور حضورؐ اس طرح بچائے گئے کہ حضورؐ کے بستر پر حضرت علیؓ لیٹ گئے اور حضورؐ دشمن کی آنکھوں کے سامنے گھر سے نکل گئے اور کوئی حضورؐ کو پہچان نہ سکا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو گرفتاری سے بچانے کیلئے آسمان پر نہ اُٹھایا۔ پھر حضورؐ بچ کر غار ثور تک پہنچے تو دشمنوں نے آپؐ کا شدید تعاقب کیا۔ حضورؐ غار میں کافی وقت چھپے بیٹھے رہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے یہ نہ کیا کہ حضورؐ کو آسمان پر اُٹھا لے۔ یہ تو دُور کی بات ہے خدا نے حضورؐ کو اُڑا کر مکہ سے مدینہ بھی نہ پہنچایا۔ بلکہ حضورؐ کو وہی دنیوی اسباب و وسائل استعمال کرنا پڑے جو ہر انسان کو کرنا پڑتے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت نے یہ صورت اختیار کی کہ حضورؐ

کا مدینہ منورہ میں بحفاظت پہنچنا یقینی اور قطعی ہو گیا۔ کفار کی آنکھیں غار ثور کے دروازے پر پہنچ کر بھی حضورؐ کو دیکھ نہ سکیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل غم و حزن سے چور چور ہو رہا تھا کہ کہیں دشمن کا ہاتھ حضورؐ پر نہ پڑ جائے لیکن اللہ تعالےٰ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ہاں ہم اللہ تعالیٰ حضورؐ کو آسمان پر نہ لے گیا۔ یہ سب کچھ اُس خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کی تدبیر تھی۔ جیسا کہ اُس نے خود فرمایا تھا وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔

اب اگر ہم یہ مانیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اُس خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کی یہ تدبیر تھی کہ اُنہیں آسمان پر اُٹھا لے جائے تو کیا یہ خود اللہ تعالےٰ کی کمزوری کی دلیل نہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ کو ادیم زمین پر کہیں بچا نہ سکا۔ کیونکہ دشمن بڑا طاقتور اور غالب تھا۔ یہ خیال اپنی ذات میں خدا تعالےٰ کے متعلق نہایت درجہ گھناؤنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کا مقابلہ کرنے سے صاف طور پر پتہ لگتا ہے کہ اگر آسمان پر لے جانا اور اپنے پاس بٹھانا عزت افزائی اور رفعت کے لئے ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے حضور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و رفعت بمقابلہ

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ ہے اور کوئی غیور مسلمان اسے ایک منٹ کے لئے بھی مان نہیں سکتا کہ خدا کے ہاں حضرت عیسےٰؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ وہ جسے خدا نے یہ کہکر نوازا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اور جس نے خود کہا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ۔ جس کے متعلق مسلمانوں کا بلا استثناء متفقہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محبوب و افضل ترین بندے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے قرب میں ایسے مقام پر پہنچے ہیں کہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اس سے بہتر کوئی مقام حضرت عیسیٰؑ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے تو خود فرمایا تھا کہ لو کان موسیٰ و عیسیٰ حَیَّیْنِ لما وسعھما الا اتباعی۔ پس وہ عیسیٰ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کوئی مقام پاکر اپنی خوش بختی سمجھتے انہیں سرداردیا کاں سے افضل قرار دینا کتنا اسلامی غیرت کے خلاف عقیدہ ہے۔

اگر آسمان پر لے جانا محبت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ ایسا کارآمد وجود اُمتِ محمدیہ کے دَورِ انحطاط میں کام آئے تو یہ خیال پہلے خیال سے بھی زیادہ غیرت کے خلاف غالباً زائد ہے۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ جس کے نتیجہ

میں علماءِ اُمّت انبیاءِ بنی اسرائیل کا مقام حاصل کرتے رہے ہیں آخری وقت میں اس درجہ کمزور ہو جائے گی کہ اُمّت کی حفاظت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اغیار کا دستِ نگر ہونا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من ہٰذہ الھفوات۔ یہ ایسا خلافِ محبّت و خلافِ غیرت خیال ہے کہ عقلِ سلیم اسے ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

غرض کسی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھیں اگر کسی وجود کا زندہ رہنا ضروری اور نسلِ انسانی کے لئے مفید ہوتا تو پھر وہ وجود پاکوں کے سردار صدرِ بزمِ عاشقان حجۃ اللہ بر زمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی ہے اور اسی محبوب ربّ العالمین کے سب سے بڑے اور سب سے سچے عاشق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

مسیحِ ناصری را تا قیامت زندہ مے فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نداد ند ایں فضیلت را

آپ وفورِ محبّت میں اپنا مکاشفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

قد مات عیسیٰ مطرقاً و نبیّنا
حیٌّ و ربّی انّہٗ وافانی

غیرت و محبّت کا سچا تقاضا یہی ہے کہ مسیح کو ہرگز آسمان پر زندہ نہ مانا جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے مسیح

سرنگوں ہو کر فوت ہو گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ جاوید ہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

بدنیا گر کسے پائندہ بودے ✤ ابو القاسم محمدؐ زندہ بودے

ساتواں نقصان اس عقیدے کا یہ ہے کہ عصمتِ انبیاء جو مسلمانوں کا مسلّم اور متفقہ عقیدہ ہے۔ اس کے خلاف یہ ماننا پڑے گا کہ عیسیٰؑ نعوذ باللہ من ذٰلک جھوٹ بولنے والے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ پوچھیں گے کہ:-

ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ

عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○

(المائدہ آخری رکوع)

ترجمہ :- اے عیسیٰ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالےٰ کے سوا دو معبود بنا لو- تو اس نے جواب دیا کہ ہم تجھے تمام عیبوں سے پاک قرار دیتے ہیں- میری شان کے شایان نہ تھا کہ مَیں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا- اور اگر مَیں نے ایسا کہا تھا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوگا- جو کچھ میرے جی میں ہے تُو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے مَیں نہیں جانتا تُو یقیناً سب غیب کی باتوں سے اچھی طرح واقف ہے مَیں نے اُن سے صرف وہی بات کہی جس کا تُو نے مجھے حکم دیا- یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے- اور جب تک مَیں اُن میں موجود رہا مَیں اُن پر نگران رہا مگر جب تُو نے میری رُوح قبض کر لی تو تو ہی ان پر نگران تھا مَیں نہ تھا اور تُو ہر چیز پر نگران ہے-

اِس سوال و جواب کے متعلق کوئی دوسری صورت ممکن نہیں کہ یہ قیامت کے سوا کسی اور دن ہوں گے- اب اگر بقول قائلین حیاتِ مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی دوبارہ دنیا میں آنا ہے اور آکر چالیس سال نبوت

کرتی ہے اور اپنے دم سے کافروں کو مارنا اور ساری دُنیا کو مسلمان بنانا ہے تو کیا وہ دیکھ نہ لیں گے کہ اُن کو ماننے والے نصاریٰ انہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں پھر وہ قیامت کے دن خدا کو کس طرح کہہ سکیں گے کہ مجھے قطعاً علم نہیں کہ میرے ماننے والوں نے مجھے خدا کا بیٹا مانا۔ بلکہ ان کا یہ قول ما قلتُ لھم اِلّا ما امرتنی بہٖ اِس بات کی دلیل ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے حواری صرف انہیں خدا کا ایک عبد ہی یقین کرتے رہے۔ اور جب خدا نے آپ کو وفات دیدی تو اس کے بعد انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی اِبنیت کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہ ایسی قطعی دلیل مسیح علیہ السلام کی وفات پر ہے کہ اس کے بعد حیاتِ مسیح کے عقیدے والوں کا مُنہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ازہر یونیورسٹی تک کے علماء نے برملا فتویٰ شائع کر دیا کہ عیسیٰؑ کی حیات قطعاً قرآن سے ثابت نہیں۔

اگر ہم یہ مانیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن یہ کہیں گے کہ مجھے علم نہیں کہ عیسائیوں نے مجھے خدا بنا لیا حالانکہ وہ چالیس سال اِس دُنیا میں رہ کر اس عقیدے والوں کو خود مسلمان بنائیں گے تو گویا وہ خدا کے حضور اتنا بڑا جھوٹ بولیں گے کہ عام مومن بھی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ انبیاء کی طرف جھوٹ منسوب کرنا کسی سچے انسان کا کام نہیں

ہو سکتا۔ جھوٹ ایک نجاست ہے اور ناپاکی تو ناپاک لوگوں کے لئے ہی ہوتی ہے۔ پس یہ نقصان ایک خطرناک نقصان ہے۔ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معصومیت خطرے میں پڑ جائے گی۔

آٹھواں نقصان اس عقیدے سے یہ ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کو بڑی تقویت پہنچتی ہے۔ چنانچہ عیسائی مسلمانوں سے مخاطب ہو کر برملا کہتے ہیں کہ تمہارا رسولؐ خورد و نوش کا محتاج بشر تھا۔ وہ ایک میعاد مقررہ کے بعد جسم خاکی کے ساتھ زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ وہ آسمان پر نہ اٹھایا گیا۔ اُسے خُلد نصیب نہ ہوا۔ مگر مسیح علیہ السلام چونکہ انیس سو سال سے غیر معمولی حالات میں بلا خورد و نوش آسمان پر زندہ ہیں اس لئے وہ فوق البشر ہیں یا خدا ہیں۔

قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق انسان کھانے پینے کا محتاج ہے اور یہ بشریت کا لازمہ ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ۔ اسی طرح اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے خُلد نہیں بنایا۔ فرمایا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ اس کے علاوہ آسمان پر چڑھنا بھی بشریت کے خلاف ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے یہ مطالبہ کیا

اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ - کہ اگر تو سچا ہے تو آسمان پر چڑھ کر دکھادے
تو خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ کہدے کہ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا
بَشَرًا رَّسُوْلًا کہ میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں اور بشر
آسمان پر چڑھ نہیں سکتا۔

اب اگر مسیحؑ ان تین بشریت کے لوازمات یعنی کھانے پینے
اور خلا اور آسمان پر چڑھنے کی شرائط سے بالاتر ہیں، تو
نصاریٰ یہ استدلال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مسیحؑ بشر
نہ تھا بلکہ اس سے کچھ بالا تھا۔ اسی طرح مسلمان نادانستہ طور پر
مسیحؑ کے تختِ الوہیت کے تین پائے خود تیار کرنے والے ہونگے۔
ایک مسلمان جو قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس تصور سے کہ
وہ اپنے ہاتھوں مسیحؑ کی الوہیت قائم کر رہا ہے لرز جاتا ہے۔
اس وقت دنیا جو ہلاکت کے ڈھلوان رستے پر سرنگوں دوڑی
جا رہی ہے اس کا باعث یہی عقیدہ الوہیتِ مسیح ہے۔ ہائیڈروجن
بموں اور راکٹوں نے نسلِ انسانی کے خاتمے کے جو اسباب
مہیا کر دیئے ہیں یہ اسی عقیدہ الوہیتِ مسیحؑ کا لازمی نتیجہ ہیں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے :-

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا۔ اَنۡ دَعَوۡا
لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا۔

ترجمہ:- قریب ہے کہ آسمان پھٹ کر گر جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر جا پڑیں۔ اِس لئے کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کا بیٹا قرار دیا ہے۔

خلاصۂ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پہ زندہ ماننے سے عیسائیت کو ہر آن تقویت پہنچتی ہے اور مسلمان ایک خطرناک احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عیسائی و عیسائیت قریباً چار سو سال سے مسلمان قوم پر ہر جگہ اور ہر لحاظ سے غالب آ چکی ہے۔ اگر آخری زمانہ میں بھی یہی مانا جائے کہ دُنیا کی نجات پھر اُسی اسرائیلی مسیحؑ ابن مریم سے وابستہ ہے جو آسمان سے زمین پہ آ جائے گا تو ظاہر ہے کہ نہ عقیدہ کے لحاظ سے اور نہ روحانی احساسِ برتری کے لحاظ سے مسلمان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کے ساتھ وابستگی میں ہی اس کی نجات ہے۔ خدا نے تو مسلمانوں کو کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ کا خطاب دیکر فرمایا کہ تم بہترین اُمت ہو اور اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ

کہ تم غالب ہو لیکن جب انہیں اپنی روحانی نجات کے لیئے بھی غیر کا تابع ہونا پڑیگا تو وہ کس احساس کے ساتھ اپنی گردن اونچی کر سکیں گے۔

نواں نقصان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مان لینے کے بعد مسیحیت پر اسلام کی طرف سے کسی کاری ضرب کا لگنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے اور عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دینا خود اپنے منہ سے اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ کے مصداق ہو جاتا ہے۔ مسیحی جو قریباً ایک ارب کی تعداد میں ہیں یہ مانتے ہیں کہ مسیح آسمان پر ہیں اور ستر کروڑ مسلمان بھی اس مسئلہ میں اُن کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ اب اتنی بڑی اکثریت کا عقیدہ یعنی اتنی بڑی تعداد کا یہ نقطۂ نگاہ جو اُن کے خیال میں تحقیق پر مبنی ہے کیوں اس عقیدہ کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کر دے کہ وہ نسلِ انسانی کے لئے کفارہ ہوا۔ اِسی طرح اگر اُسے زندہ مانیں تو مسیحیت کی رگوں میں ہر آن زندہ خون دوڑتا ہے۔ اور اگر اُس کی موت ثابت ہو جائے تو عیسائیت کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ نہ مسیح صلیب پر مرا نہ آسمان پر اُٹھایا گیا، نہ اُس نے نسلِ انسانی کے گناہ اپنے کندھوں پر اُٹھائے اور نہ کفارہ کو ماننے کی کوئی ضرورت پیش آئی۔

یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ عیسائی اور لشکر کفر کے بڑے بڑے جرنیل

مثلاً پادری زویمر وغیرہ تو یہ تسلیم کریں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور محلہ خانیار سرینگر میں مدفون ہے تو عیسائیت پر ابدی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن مسلمان مسلمان کہلا کر اس بات پر مُصر ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بیٹھے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد کتنا پیارا ہے کہ مسیح کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ حضور نے فرمایا ؎

ابن مریم مر گیا حق کی قسم ٭ داخلِ جنت ہوا وہ محترم

سچ بات یہ ہے کہ سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی نے کہ آنے والا مسیح صلیب کو توڑے گا اس زمانہ میں پورا ہو کر ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے کہ ایک مومن کی رُوح بے اختیار سجدے میں پڑ جاتی ہے۔ ایک گمنام گاؤں میں ایک شخص جو دُنیوی علوم کا ماہر نہ تھا اور جس کا کام تاریخی تحقیقاتیں کرنا نہ تھا بلکہ اس کا دل محبتِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ سے سرشار تھا اور جو واقعہ میں اس شعر کا مصداق تھا ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما جز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اُسے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے بے چین کیا اور اسی بے چینی میں خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ گرا اور اُنہیں یہ علم

دیا گیا کہ مسیح مر گیا۔ پھر آپ نے اس معاملے میں تحقیق کی حد کر دی اور ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" تصنیف فرمائی اور اس معاملے کو نہیں چھوڑا جب تک قطعی طور پر ثابت نہ کر دیا کہ مسیح سرینگر میں مدفون ہے۔ اس بم نے عیسائیت کا ہیروشیما گرا دیا اور اس تحقیق نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خدا کا صادق و مصدوق رسول ثابت کیا کہ صاف نظر آتا ہے کہ حضور کی نظر چودہ سو سال آگے کا نقشہ اس طرح دیکھ رہی ہے گویا کہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے ہے حضور نے اس کسر صلیب کے واقعہ کو کسی قوم یا جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ ایک شخص واحد کی طرف منسوب کیا کہ وہ اکیلا کسر صلیب کریگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اِن تحقیقات کے بعد مسیح تو ہمیشہ کی نیند سو گیا اب جماعت احمدیہ یا دنیا کے دیگر محققین جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ مرے کو مارنے والی بات ہے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آل محمّدٍ وعلیٰ عبدك المسیح الموعود۔

دسواں نقصان اس عقیدے سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے خلاف عقیدہ ماننا پڑتا ہے اور اس سے حضور کی مہر ختمیت ٹوٹتی ہے۔ علماءِ مخالفین کے نہایت خلافِ واقعہ

پروپیگنڈا کو اگر برطرف رکھا جائے تو ہر دیانتدار اور راستی پسند انسان یہ جانتا ہے کہ احمدی ہرگز ہرگز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر نہیں بلکہ جو غیرت انہیں حضور کی ختم نبوت کے متعلق ہے وہ یقیناً کسی اور کو نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" میں فرماتے ہیں :-

"جس طرح آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری زمانہ میں اتارتے ہیں اور اس حالت میں ان کو نبی بھی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی و نبوت کا جاری ہونا اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بیشک ایسا عقیدہ تو معصیت میں داخل ہے اور آیت وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اس عقیدہ کے کذب صریح پر کامل شہادت ہے۔ ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے

اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت استعمال کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کر دی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوتِ محمدی کی چادر ہے اسلئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اس کے جلال کے لئے۔ پس آیت مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اس کے معنی ہیں کہ لَیْسَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِ الدُّنْیَا وَلٰکِنْ هُوَ اَبُ رِجَالِ الْاٰخِرَةِ لِاَنَّهٗ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَا سَبِیْلَ اِلٰی فُیُوْضِ اللّٰهِ مِنْ غَیْرِ تَوَسُّطِهٖ۔ غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمد و احمد ہونے کے ہے نہ میرے نفس کی رو سے اور یہ نام مجھے بحیثیت فنا فی الرسول کے ملا ہے لہٰذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا لیکن عیسیٰ کے اترنے سے ضرور فرق آئیگا اور عیسیٰ بغیر مہر توڑنے کے آ نہیں سکتا کیونکہ اس کی نبوت ایک الگ نبوت ہے۔"

پھر اسی کتاب میں فرماتے ہیں :-

"اب یہ کبھی ممکن نہیں کہ مُہرِ نبوت ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عُہدہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اُنہیں کی صورت اور اُنہیں کا نقش ہیں لیکن دوسرے پر ضرور غیرت ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب معراج کی رات دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے مقام سے آگے نکل گئے تو کیونکر رو رو کر اپنی غیرت ظاہر کی۔ تو پھر جس حالت میں خدا تو فرمائے کہ تیرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور پھر اپنے فرمودے کے برخلاف عیسیٰ کو بھیج دے تو پھر کس قدر یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلآزاری کا موجب ہوگا۔ غرض بروزی رنگ کی نبوت سے ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور نہ مُہر ٹوٹتی ہے لیکن کسی دوسرے کے آنے سے اسلام کی بیخکنی ہو جاتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں سخت اہانت ہے کہ یہ عظیم الشان کام

دجال کش کا جیلے سے ہوا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور آیت کریمہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ نعوذ باللہ اس سے جھوٹی ٹھہرتی ہے۔ اور اس آیت میں ایک پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کسی میں طاقت نہیں جو کھلے کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پائے اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں اسلئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی ہے اور ایسی نبوت کے مقابل پر تمام دنیا بے دست و پا ہے۔"

اسی رسالہ میں حضور پھر یہ بھی فرماتے ہیں :۔

"مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اسی نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے۔ اور جیسا کہ میں قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ پر ہوئی۔ جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی۔ اور میں بیت اللہ میں کھڑا ہو کر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور

حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اسی طرح میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صٓ)

یہ نقصانات مُشتے از خروارے ہیں۔

گیارھواں نقصان

میں آخری نقصان بیان کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اس غلط عقیدے کے نتیجہ میں مسلمانوں کی نگاہیں ایک غلط طرف لگی ہوئی ہیں۔ انہوں نے خود دیکھا کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ نے احیاء و تجدید دین کے لئے مجددین مبعوث فرمائے لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ دجال کیساتھ آخری جنگ کی فتح وہ کیوں ایک غیر قوم کے نبی کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بڑا ہی خلافِ غیرت خیال تھا کہ غیر آئیگا اور مسلمانوں کے انتہائی انحطاط و زوال میں اُن کی اصلاح کر جائیگا اور اپنے احسان کا بار نعوذ باللہ فخر الاولین و الآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالے گا۔

محبت کا تقاضا وہی تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ محبوب بارگاہ ہیں ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن ؛ واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

مسیح کی کیا مجال تھی کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی اصلاح کے لئے آتا۔ کیا سردارِ دو عالم کی قوتِ قدسیہ وتزکیہ ختم ہوگئی تھی کہ اب اُمت سے کوئی نہ آئے۔ یہ خیال سرتاپا باطل اور اُمت کو ایک شدید مایوسی اور احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے والا خیال ہے۔ نہ آسمان پر کوئی گیا تھا نہ کسی نے آنا ہے، یہ تو عیسائیوں کے اپنے نبی سے محبت کے ولولے تھے۔ وہ ظاہرہ طور پر دُنیا میں کامیاب نہ ہوئے اور ایسی حالت میں فطری خواہش یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی ناکامی کو کسی حسین تخیل کے نیچے دبا دے اسلئے انہوں نے اپنے دل کو بہلانے کے لئے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ مسیح آسمان پر چڑھ گیا۔ حالانکہ نہ کوئی آسمان پر گیا تھا اور نہ جا سکتا ہے۔

ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ نے مسیح سے ہر شان میں برتر انسان کو پیدا کرنا تھا۔ نعم ما قال المسیح الموعودؑ

واں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند

لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی

اُس نے زمین ہی سے آنا تھا اور وہ آیا۔ یہ عقیدہ یقیناً سچا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰؑ تھے اُسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی شان لیکر حضورؐ کے آخری خلیفہ نے ابن مریم بنکر آنا تھا۔ اس کی وجہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِن الفاظ میں

بیان فرمائی ہے ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند

مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

احادیث کے منکرین کچھ کہیں لیکن حدیث کو ماننے والے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں یہ پڑھ کر کہ واللہ لینزلنّ فیکم ابن مریم۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسیح نے نہیں آنا۔ یہ اسی اصدق الصادقینؐ کی حلف ہے کہ اس سے سچا نہ دنیا میں کبھی ہوا نہ ہوگا۔ علامہ اقبال اپنی عمر کے شاید تین چوتھائی حصہ تک یہ مانتے رہے ہیں کہ مہدی نے آنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں یہ مصرع بھی کہا ہے ؏

"مجھ کو انکار نہیں آمدِ مہدی سے مگر"

اور انہوں نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے انگلستان کے ایک مستشرق کو لکھا تھا صاف طور پر بیان کیا ہے کہ اس وقت دنیا کو کسی معمولی مصلح کی نہیں ایک نبی کی ضرورت ہے۔

پھر کیا یہ بات اُمتِ محمدیہ کے ہزاروں لاکھوں صلحاء اور پاکبازوں کی تکذیب نہ ہوگی جو اپنے ذاتی روحانی مکاشفات کی بنا پر یہ کہتے گئے ہیں کہ مہدی یقیناً آئے گا۔ وہ دنیا سے اس حسرت کو ساتھ لے گئے۔

کہ انہیں اس موعود کا زمانہ نصیب نہ ہوا۔

پھر کیا یہ قرآن پاک اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں بیان فرمودہ پیشگوئیوں کی تکذیب نہ ہوگی کہ مہدی اور مسیح کے آنے کی جو علامات انہوں نے بیان کی تھیں وہ حرف بحرف پوری ہوگئیں۔ مہدی کی بیان کردہ علامات کے عین مطابق رمضان میں سورج اور چاند گہنائے گئے۔ ستارے مکدر ہوئے۔ گابھن اونٹنیاں بیکار ہوئیں۔ پہاڑ اڑائے گئے۔ دریا پھاڑے گئے۔ عورت کا مقام بلند ہوا۔ نفوس اس طرح جمع ہوئے کہ دنیا میں فاصلہ باقی نہ رہا۔ ریل چلی۔ ہوائی جہاز اڑے۔ صحف نشر ہوئے۔ اور مذکورہ بالا علامات کے علاوہ اور سینکڑوں علامات حرف بحرف پوری ہوئیں لیکن آسمان سے آنے والا نہ اترا۔ اس غلط عقیدے نے خدا کے اس پیارے بندے مسیح موعودؑ کی طرف سے لوگوں کو بے توجہ رکھا۔ حضورؑ نے خود فرمایا ہے ؎

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آ چکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا
اب سال سترہ بھی صدی سے گذر گئے
تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

پھر حضورؑ نے دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ؎

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

اب بھی آسمان کی طرف نگاہیں لگائے رکھنا اُمّت کے لئے کتنی حرماں نصیبی ہے!

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ایمان افروز خطاب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں :-

"پس اے بندگانِ خدا غافل مت ہو اور شیطان تمہیں وساوس میں نہ ڈالے۔ یقیناً سمجھو کہ یہ وہی وعدہ پورا ہوا جو قدیم سے خدا کے نبی کرتے آئے ہیں۔ آج خدا کے مرسل اور شیطان کا آخری جنگ ہے اور یہ وہی وقت اور وہی زمانہ ہے جیسا کہ دانیال نبی نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا تھا۔ مَیں ایک فصل کی طرح اہلِ حق کے لئے

آیا اور مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا اور مجھے کافر اور دجّال ٹھہرایا گیا اور بے ایمانوں میں سے مجھے سمجھا گیا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ تا وہ پیشگوئی پوری ہوتی جو آیت غیر المغضوب علیھم کے اندر مخفی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے منعم علیہم کا وعدہ کر کے اِس آیت میں بتا دیا ہے کہ اِس اُمّت میں وہ یہودی بھی ہوں گے جو یہود کے علماء کے مشابہ ہوں گے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو سُولی دینا چاہا اور جنہوں نے عیسیٰ کو کافر اور دجّال اور ملحد قرار دیا اور سوچو کہ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا۔ اِس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود اِس اُمّت میں سے آنے والا ہے اِسی لئے اُس کے زمانے میں یہود کے رنگ کے لوگ بھی پیدا کئے جائیں گے جو اپنے زعم میں علماء کہلائیں گے۔ سو آج تمہارے ملک میں وہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام ملک کے باشندے جو مسلمان کہلاتے ہیں مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ اِن لوگوں کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ راستبازی

کے محل میں نہ آپ داخل ہوتے ہیں نہ کم فہم لوگوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔ کیا کیا مکر ہیں جو کر رہے ہیں اور کیا کیا منصوبے ہیں جو اندر ہی اندر ان کے گھروں میں ہو رہے ہیں۔ مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائیں گے اور کیا وہ اُس قادرِ مطلق کے ارادے کو روک دیں گے جو تمام نبیوں کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اِس ملک کے شریر امیروں اور بدقسمت دولت داروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں صرف ایک مرے ہوئے کیڑے۔

اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلائے گا اور حجت و بُرہان کی رُو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اِس مذہب اور سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا

سے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی ۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہیں جس سے ٹھٹھا نہیں کیا گیا ۔ پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَأْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۔ پس خدا کی طرف سے یہ نشان ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے روبرو آسمان سے اُترے اور فرشتے بھی اُس کے ساتھ ہوں اُس سے کون ٹھٹھا کریگا ۔ پس اس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے ۔

یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا ۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا ۔ اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی ابن مریم کو آسمان

سے اُترتے نہیں دیکھیگا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مریگی اور وہ
بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھیگی۔ تب خدا
اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے
غلبے کا بھی گذر گیا اور دُنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم
کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند
یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی
تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰ
کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت
نا اُمید اور بدظن ہو کر اِس جھوٹے عقیدے کو چھوڑ دینگے۔
اور دُنیا میں ایک مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں
تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے
وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی
نہیں جو اس کو روک سکے "

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ

نے

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر شائع کیا۔